مولانا محمد تقی امینی

خطاب عید الفطر

یہ خطاب عید الفطر کے دن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا

حضرات۔ آج عید کا دن ہے جو دنیا کے تہواروں اور میلوں سے مختلف ہے۔ ہماری عید میں مادی راحتوں اور جسمانی لذتوں سے ہٹ کر اس حقیقت کا اعلان ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی ایک دوسری زندگی ہے جس میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا اور ہر حس و حرکت کا جواب دینا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عید کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے:۔

"عید یہ نہیں ہے کہ عمدہ کپڑے پہنے جائیں عمدہ کھانے کھائے جائیں پسندیدہ چیزیں استعمال کی جائیں اور لذات و شہوات سے لطف اندوز ہوا جائے بلکہ عید یہ ہے کہ طاعات میں قبولیت کی علامت ظاہر ہو۔ گناہوں کے لیے کفارہ ہو۔ برائیاں نیکیوں سے بدل دی جائیں بلندی درجات کی بشارت ہو۔ نور ایمانی سے شرح صدر ہو۔ اور قوۃ یقین سے سکون قلب حاصل ہو وغیرہ"[1]

---

[1] عبدالقادر جیلانی۔ کتاب الغنیۃ لطالبی طریق الحق فی معرفۃ آداب الشریعۃ جزء ثانی فصل فی ذکر الفطر ص۱۵۱

عید کے لیے اس دن کا انتخاب کیا گیا جس دن انسان تربیتی کورس مکمل کر کے عید منانے کے قابل ہوا یعنی ایک ماہ تک مسلسل نماز قرآن اور بالخصوص روزے کے ذریعہ انسان اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرتا رہا اور زندگی میں ان صفات اور خصوصیات کو ابھارتا رہا جن سے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی اور روح اپنے سرچشمہ سے اتصال پیدا کرتی ہے امام غزالیؒ نے روزہ کا یہ مقصد بیان کیا ہے۔

"روزہ سے مقصود اللہ کے اخلاق میں بالخصوص صمدیت یعنی بے نیازی کی صفت سے متصف ہونا اور بقدر امکان خواہشات پر قابو پاکر فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا کیونکہ فرشتے خواہشات سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں۔"

عید کی تقریب دراصل اس احسان کا شکرانہ ہے جو بطور خاص اللہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے۔ تقریباً دو ہزار سال تک دنیا کی امامت و پیشوائی بنی اسرائیل کے پاس رہی اور جب وہ اس قابل نہ رہے تو شب قدر میں یہ امامت و پیشوائی امت مسلمہ کی طرف منتقل ہو گئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ اس شب میں نبوت کا تاج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر رکھا گیا اور پھر آپ کے واسطہ سے اس تاج کی وراثت امامت اور پیشوائی کی شکل میں امت مسلمہ کے حصہ میں آئی۔ اس منصب کی بدولت یہ امت دوسری تمام قوموں سے ممتاز اور افضل قرار پائی اور بطور شکرانہ ایسی عید یا جشن مسرت منانے کا حکم دیا گیا جو منصب امامت کی نمائندگی کرنے والا اور اس کے شایان شان ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور امت مسلمہ کی امامت نے دنیا کو جو کچھ دیا اس کی داستان نہایت طویل ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ نبوت نے دنیا کو جو سب سے زیادہ قیمتی شے عطا فرمائی وہ "انسان" ہے جس میں نبوت کی تعلیم و تربیت سے متضاد اوصاف و کمالات کی نمو دہوئی۔ اقبال نے کہا ہے ؎

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات   ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل   اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز

بزم و دم گفتگو گرم دم جستجو　　رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب　　عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق　　بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

یہ انسان صرف بندگی کے لیے کارآمد نہیں ثابت ہوا بلکہ زندگی کے ہر میدان میں کارآمد ثابت ہوا۔ اور جو کام بھی اس کے سپرد ہوا اس میں اپنی اہلیت و فرض شناسی کا زیادہ سے زیادہ ثبوت دیا۔

نبوت نے انسان کو انسان بنانے کے لیے جو معلومات فراہم کیں اور جو معیارات قائم کیے وہ اس دور میں بالخصوص توجہ کے لائق ہیں مثلاً

(۱) نبوت نے زندگی کے راز اور انسان کی سائنس سے واقف کرایا۔ زندگی کا راز اندرونی حصہ کے تاروں میں پوشیدہ ہے اور انسان کی سائنس ایک ذی شعور طاقت سے ان تاروں کا صحیح ربط قائم کرنے میں مخفی ہے۔ ان دونوں تک رسائی اس جدید انسان کے بس سے باہر ہے جس کو عقل و ہنوس نے اختراع کیا، صنعت نے پیدا کیا اور پھر ریسرچ و تحقیق کے ذریعہ اس کو سرتاسر آدمی بنادیا۔

(۲) نبوت نے نورانی شعاعوں کے ذریعہ زندگی کے ان مخفی تاروں کا عکس لیا جن کو چھیڑے بغیر زندگی کے ساز میں سوز نہیں پیدا ہوتا اور بہت سے نغمے خاموش رہتے ہیں پھر زندگی زندگی سے گریزاں نبتی اور تمدن خود تمدن کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔

(۳) نبوت نے انسان کے نورانی اصل ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور پھر اس کی مناسبت سے اخلاق و کردار کا معیار مقرر کیا، حلال و حرام کے درمیان تمیز کی، جائز و ناجائز اور اچھائی و برائی کی تقسیم کی۔

(۴) نبوت نے زندگی کے "اقدار" متعین کر کے ان کا سرچشمہ اللہ کی صفات کو قرار دیا جن میں تبدیلی اور زمان و مکان کی پابندی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ان کا وجود یکساں قائم رہتا ہے۔

(۵) نبوت نے عقل کو جذبات و خیالات پر غالب رکھنے کا بندوبست کیا اور روح کو سکون و اطمینان دینے کے لیے اس کے سرچشمہ سے ربط و تعلق پیدا کرایا۔

اسی طرح امت مسلمہ کی امامت نے دنیا کو جو کچھ دیا وہ بھی بہت طویل ہے یہاں چند کردار پیش کیے جاتے ہیں جن میں عبرت و بصیرت ہے۔

(۱) حضرت ابو بکرؓ کی بیویؓ نے ایک دن شیرینی کی فرمائش کی جواب دیا کہ میرے پاس گھر کے بقدر ضرورت روزمرہ خرچ سے زائد رقم نہیں ہے کہ اس سے شیرینی منگا سکوں بیوی نے کہا کہ اجازت ہو تو اسی میں سے کچھ رقم جمع کر کے خدمت میں پیش کردوں فرمایا اگر ایسا کر سکتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے۔ چند روز بعد کچھ رقم جمع کر کے حضرت ابو بکر کو دی تو فرمایا کہ یہ رقم ضرورت سے زائد معلوم ہوتی ہے اس لیے یہ بیت المال کا حق ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف یہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع کردی بلکہ اس مقدار کو مستقلاً تنخواہ سے یہ کہہ کر کم کر دیا کہ ابو بکر کے اہل و عیال شیرینی کھائے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں[۱]۔

(۲) حضرت عمرؓ کی بیویؓ نے (غالباً قحط کے زمانے میں) ایک مرتبہ گھی خریدا تو پوچھا کیسے خریدا ہے جواب دیا آپ کی تنخواہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے میں نے اپنی ذاتی رقم سے خریدا ہے فرمایا میں اس کو اس وقت تک نہ چکھوں گا جب تک دوسرے لوگ اس کو استعمال نہ کرنے لگیں[۲]۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے بچہ کے ہاتھ میں تربوز دیکھا تو کہا کہ تمھیں شرم نہیں آتی ہے تم امیر المومنین کے بیٹے ہو کر پھل کھا رہے ہو اور محمدؐ کی امت لاغر و نحیف ہو رہی ہے۔ بچہ روتا ہوا بھاگا لوگوں نے کہا کہ اس نے پیسہ سے نہیں خریدا بلکہ کھجور کی گٹھلیاں دے کر خریدا ہے[۳]۔

(۳) حضرت علیؓ عید کے دن خشک روٹی کھا رہے تھے پوچھنے پر جواب دیا کہ ہماری عید اس دن ہوتی ہے جس دن کوئی گناہ نہ ہو[۴]۔

(۴) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو ذمہ داری محسوس کر کے رونے لگے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو گئی ان کی بیوی فاطمہ نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں نے پوری امت کی ذمہ داری لی ہے اس میں ہر قسم کے لوگ ہیں بھوکے فقیر، بے سہارا، بعض بے سروسامان مجاہد، بے بس مظلوم، غریب قیدی۔ بہت بوڑھے کثیر العیال جن کے پاس مال کم ہے۔ اسی طرح

---

[۱] ابن اثیر ج ۲ ص۱۹۱ [۲] تاریخ عمر لابن الجوزی الباب الثالث والثلثون ص۸۲

[۳] ایضاً ص۱۹۱ [۴] کتاب الغنیۃ حوالہ بالا

مختلف علاقوں کے رہنے والے دوسرے ضرورت مند ہیں۔ قیامت کے دن ان سب کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوگی اور ان کے مقدس کی پیروی کرنے والے اللہ کے رسول ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں جرح میں ٹوٹ جاؤں اس لیے اپنی جان پر ترس کھا کر رو رہا ہوں۔[1]

(۵) امت مسلمہ نے علماء و صوفیاء کی شکل میں ایک کردار پیش کیا جنھوں نے بادسموم کی لپیٹ کا مقابلہ کرکے نبوت کی تعلیمات اور اس کے معیارات کو برقرار رکھا۔ اگر صوفیاء نہ ہوتے تو اسلام اتنا زیادہ وسیع نہ ہوتا۔ علماء نہ ہوتے تو اسلام کی صحیح تعلیم اجاگر نہ ہوتی پھر امامت و پیشوائی کی بات بے معنی ہو کر رہ جاتی۔ ابھی تو نہیں قیامت کے دن جب حفاظت دین کے متعلق باز پرس ہوگی اور اس سلسلہ میں ایثار و قربانی اور کارگزاری سننے سنانے کا وقت ہوگا تو یہی بوریہ نشین سامنے آ کر کہیں گے۔

بار الٰہا جب انہوں نے غیروں سے آشنائی کی تھی اور روح و جسم دونوں مرہون ہو گئے تھے۔ جب غیروں نے مکین و مکان پر منظم حملہ کیا تھا اور دل و دماغ دونوں مجروح ہو چکے تھے۔ جب بادسموم کے تیز و تند جھونکے نبوت کی شمع کافوری کو گل کر رہے تھے اور شمع بجھ بجھ کر جل رہی تھی تو ایسے نازک وقت میں اگر ہم سے کچھ نہ ہو سکا تو غیروں کی دشمنی مول لے کر "ملبہ" کی رکھوالی کی۔ اپنوں کے طعن سن کر شمع کافوری کی حفاظت کی۔ دوسروں کی پیش کش کو ٹھکرا کر اجڑے آشیانہ کی یاد تازہ رکھی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہر طاقت سلب ہو گئی ہر حرکت بند ہو گئی صرف آنکھ کی چمک دیکھ کر اپنی تسلی کی اور سامنے سے کسی کو ساغر و مینا اٹھانے نہ دیا۔

علماء و صوفیاء کے علم و ہنر کا امتحان کم ہوا لیکن کردار کا امتحان ہر وقت ہوتا رہا اور ناکامی سے نہیں بلکہ کامیابی کی بنا پر ان کے نشیمن جلتے رہے اس کے باوجود حفاظت دین کی خدمت میں فرق نہ آنے دیا۔ امت مسلمہ کی تاریخ میں جب تک نبوت کی تعلیم اور تاریخی کردار محفوظ رہیں گے وہ دنیا کی امامت و پیشوائی سے دست بردار نہ ہو سکے گی اور یہ بھی توقع ہے کہ جشن عید منانے میں اپنی آن و شان کو برقرار رکھے گی۔ دنیا میں حسن کی کمی نہیں "آن" کی کمی ہے صرف ادا کافی نہیں شان کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ دونوں امت مسلمہ کی زندگی میں برقرار رہیں گے اس کی جاذبیت و دلکشی میں فرق نہ آئے گا اور جب یہ دونوں ختم ہو جائیں گے تو گھاس پھوس سے زیادہ

[1] تاریخ الکامل ج ۵ صفحہ ۲۳ و کتاب الخراج صفحہ ۱
باقی صفحہ ۳۲ پر